فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

”تو پوچھ لیا کرو ان سے جو جانتے ہیں، اگر تم نہیں جانتے“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

فتاوی یسئلونک

دار الافتاء والارشاد

الباقیات الصالحات فاؤنڈیشن رجسٹرڈ

شمارہ 99 | جمعۃ المبارک 08 جمادی الثانی 1442ھ 22 جنوری 2021ء

سوال ارسال کرنے کے طریقے

- بالمشافہ: سوالات تحریری صورت میں متعین سوالنامے پر بالمشافہ جمع کروائیں۔
- بذریعہ ویب سائٹ: www.yasalunak.com پر موجود سوالنامے کے ذریعے ارسال کریں۔
- بذریعہ برقی مراسلہ: ask@yasalunak.com پر برقی مراسلے (ای میل) کی صورت میں ارسال کریں۔
- بذریعہ واٹس ایپ: 0333-9206874 پر مکمل نام کے ساتھ واٹس ایپ کریں۔

نوٹ: جوابات/فتاویٰ سوالات موصول ہونے کی ترتیب سے ارسال کیے جاتے ہیں۔

دار الافتاء والارشاد، الباقیات الصالحات فاؤنڈیشن رجسٹرڈ، فقہ اکیڈمی C-335 بلاک 1، گلستان جوہر، کراچی

وقف علی الاولاد

سوال: میرا سوال وقف علی الاولاد کے حوالے سے ہے، اس میں یہ وضاحت درکار ہے کہ اس کا کیا فائدہ ہے، اور اولاد کے نام پر وقف کرنے کا مقصد کیا ہے، کیونکہ لوگ دنیا و آخرت کے نام پر وقف کرتے ہیں، اور میں اپنی جائیداد کو اپنی اولاد پر وقف کرنا چاہتا ہوں، کسی ادارے کو نہیں، تو کیا میری اولاد اس وقف میں سے کھا پی سکے گی یا نہیں؟ اور اس کو بیچنے کا اختیار ان کو ہوگا یا نہیں؟

جواب: اگر کوئی شخص اپنی جائیداد اولاد پر وقف کرے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اولاد پر کسی چیز کو وقف کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کے لیے ایسی چیز چھوڑ کر جائے جس کا فائدہ وہ مستقل طور پر اٹھاتی رہے۔ لیکن واضح رہے کہ جو جائیداد باقاعدہ اولاد کے لیے وقف کر دی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے، اس وقف کردہ شے کی خرید و فروخت کسی کے لیے جائز نہیں ہوتی۔ اولاد پر وقف کرنے کی صورت میں اولاد کو صرف موقوفہ شے سے نفع اٹھانے اور اس سے حاصل ہونی والی آمدنی اپنے استعمال میں لانے کا اختیار ہوتا ہے، بیچنے کا حق نہیں ہوتا، نہ ہی اس کو ہبہ کیا جا سکتا ہے، اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ نیز بہتر اور مناسب یہ ہے کہ وارثین کا جو حق بنتا ہو، وہ ان کو دے کر انہیں مالک و قابض بنا دیا جائے، اور کوئی جائیداد اگر وقف کرنی ہو تو اُس کو خالص وقف علی اللہ کیا جائے۔ (مستفاد از: امداد الاحکام، ۳/۶۴)

لہذا صورت مسئولہ میں آپ کے لیے اپنی جائیداد اپنی اولاد کے نام وقف کرنا شرعاً درست ہے۔ وقف کا عمل مکمل ہونے کے بعد وہ جائیداد ہمیشہ کے لیے آپ کی ملک سے نکل جائے گی۔ آپ اور آپ کی اولاد کے لیے اس کو فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔

مطلب مهم فی قول الواقف علی الفريضة الشرعية (قوله: متی وقف) أی علی أولاده لأنه منشأ الجواب المذكور كما تعرفه، وبه يظهر فائدة التقييد بقوله حال صحته (قوله كما حققه مفتی دمشق إلخ) أقول: حاصل ما ذكره فی الرسالة المذكورة أنه ورد فی الحديث أنه -صلى الله عليه وسلم- قال «سووا بين أولادكم فی العطية ولو كنت مؤثرا أحدا لآثرت النساء على الرجال» رواه سعيد فی سننه وفی صحيح مسلم من حديث النعمان بن بشير «اتقوا الله واعدلوا فی أولادكم» فالعدل من حقوق الأولاد فی العطايا والوقف عطية فيسوی بين الذكر والأنثى، لأنهم فسروا العدل فی الأولاد بالتسوية فی العطايا حال الحياة... روى عن أبی حنيفة لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل فی الدين وإن كانوا سواء يكره وروى المعلى عن أبی يوسف أنه لا بأس به إذا لم يقصد الإضرار وإلا سوى بينهم وعليه الفتوى... ذكر فی الاستحسان فی كتاب الوقف، وينبغی للرجل أن يعدل بين أولاده فی العطايا والعدل فی ذلك التسوية بينهم فی قول أبی يوسف وقد أخذ أبو يوسف حكم وجوب التسوية من الحديث، وتبعه أعيان المجتهدين، وأوجبوا التسوية بينهم وقالوا يكون آثما فی التخصيص وفی التفضيل، وليس عند المحققين من أهل المذهب فريضة شرعية فی باب الوقف إلا هذه بموجب الحديث المذكور، والظاهر من حال المسلم اجتناب المكروه (الدر المختار وحاشية ابن عابدين، ۴/۴۴۴)

ولو كان الولد مشتغلا بالعلم لا بالكسب فلا بأس بأن يفضله على غيره، كذا فی الملتقط. (الفتاوى الهندية، ۴/۳۹۱)

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن. (الدر المختار مع رد المحتار، ۶/۵۳۹)

عن ابن عمر رضی الله عنه قال: أصاب عمر أرضًا بخيبر فأتى النبی صلى الله عليه وسلم يستأمره فيها، فقال: يا رسول الله! إنی أصبت أرضًا بخيبر لم أصب مالا قط هو أنفس عندی منه، فما تأمرنی به؟ قال: إن شئت حبست أصلها، وتصدقت بها، قال: فتصدق بها عمر أنه لا يباع أصلها ولا يبتاع ولا يورث، ولا يوهب، قال: فتصدق عمر فی الفقراء وفی القربى وفی الرقاب وفی سبيل الله وابن السبيل

والضيف، لا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف، أو يطعم صديقًا غير متمول فيه۔ (صحیح مسلم مع تکملة فتح الملهم، ۱۲۱/۲)

قال العبد الضعيف عفا الله عنه: الظاهر من القول المفتى به عند الحنفية أن الوقف لا يكون ملكًا للموقوف عليهم، وإنما يكون ملكًا لله تعالى، ينتفع به الموقوف عليهم، ويصير الوقف كالشخص المعنوی فی الاصطلاح القانونی العصری، فيبيع، ويشتری، ويملك، ويقرض، ويستقرض بواسطة واليه، ولهذا قد صرح الفقهاء بأن ما اشتراه المتولی من غلة الوقف لم يصر وقفًا فی الأصح وإنما كان ملكًا للوقف۔ (تکملة فتح الملهم، هل الوقف يكون ملكًا للموقوف عليه، ۱۲۵/۲)

قرآن پڑھ کر ثواب پہنچانا

سوال: ہم جو آیات یا سورتیں حفظ کر رہے ہوتے ہیں، تو ان کو یاد کرتے وقت بار بار پڑھتے ہیں، کیا ہم ان کو پڑھ کر ایصال ثواب کر سکتے ہیں؟

جواب: اہل السنۃ والجماعت کے عقیدہ کے مطابق جس طرح کسی مردہ کو ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے اسی طرح زندہ کو بھی ثواب بخشا جاسکتا ہے، اور اسی طرح راجح قول کے مطابق فرض اور نفل دونوں طرح کے عمل کا ایصالِ ثواب کسی بھی مسلمان کو کیا جاسکتا ہے اور اس کا ثواب ان کو پہنچتا ہے۔

من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا فی البدائع، ثم قال: وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا. والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوی به عند الفعل للغير أو يفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره، لإطلاق كلامهم، وأنه لا فرق بين الفرض والنفل. اهـ (حاشية ابن عابدين، ۲۴۳/۲)

نیز مسلمانوں کے لیے ایصال ثواب کے مختلف طریقے ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ ان کے لیے دعا کی جائے، اس کا ذکر خود قرآن مجید میں ہے اور باقاعدہ اس کی ترغیب دی گئی ہے: قال اللہ تعالیٰ: فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ (محمد: ۱۹)

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنی مالی عبادات (صدقہ، خیرات وغیرہ) کا ثواب کسی کو بخشا جائے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: أنبأنا ابن عباس رضی الله عنهما: أن سعد بن عبادة رضی الله عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله إن أمی توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شیء إن تصدقت به عنها؟ قال: «نعم»، قال: فإنی أشهدك أن حائطی المخراف صدقة عليها (صحيح البخاری، ۷/۴)

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم جو بنی ساعدہ میں سے تھے، ان کی والدہ فوت ہوگئیں، اس موقع پر وہ ان کے پاس نہیں تھے، (جب واپس پہنچے) تو نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس آئے اور پوچھا: یارسول اللہ، میری والدہ فوت ہوگئی ہیں اور میں ان کے پاس نہیں تھا، کیا کوئی چیز جو میں ان کی طرف سے صدقہ کروں، انھیں فائدہ دے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اس پر انھوں نے کہا: آپ گواہ رہیے، یہ میرا مخراف (نامی باغ) ان (کے نام) پر صدقہ ہے"۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنی بدنی عبادات (نماز، روزہ وغیرہ) کا ثواب کسی کو بخشا جائے، اور اس کا ثواب زندوں اور مردوں کو پہنچایا جاسکتا ہے۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں آپ جو آیات یا سورتیں حفظ کرنے کے لیے بار بار پڑھتے ہیں، ان کو پڑھ کر ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں، چاہیں زندوں کو کریں یا مردوں کو۔

وقول النبی صلى الله عليه وسلم لا يصوم أحد عن أحد ولا يصلی أحد عن أحد أی فی حق الخروج عن العهدة لا فی حق الثواب، فإن من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات أو الأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة...وعليه عمل المسلمين من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا من زيارة القبور وقراءة القرآن عليها والتكفين والصدقات والصوم والصلاة وجعل ثوابها للأموات (بدائع الصنائع، ۲۱۲/۲)

مطلب فی القراءة للميت وإهداء ثوابها له تنبيه صرح علماؤنا فی باب

الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها كذا في الهداية بل في زكاة التاترخانية عن المحيط الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيئا هو مذهب أهل السنة والجماعة لكن استثنى مالك والشافعي العبادات البدنية المحضة كالصلاة والتلاوة فلا يصل ثوابها إلى الميت عندهما بخلاف غيرها كالصدقة والحج وخالف المعتزلة في الكل وتمامه في فتح القدير أقول ما مر عن الشافعي هو المشهور عنه... وأما عندنا فالواصل إليه نفس الثواب وفي البحر من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع ثم قال وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوي به عند الفعل للغير أو يفعله لنفسه بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره لإطلاق كلامهم وأنه لا فرق بين الفرض والنفل اه وفي جامع الفتاوى وقيل لا يجوز في الفرائض اه وفي كتاب الروح للحافظ أبي عبد الله الدمشقي الحنبلي الشهير بابن قيم الجوزية ما حاصله أنه اختلف في إهداء الثواب إلى الحيي فقيل يصح لإطلاق قول أحمد يفصل الخير ويجعل نصفه لأبيه أو أمه وقيل لا لكونه غير محتاج لأنه يمكنه العمل بنفسه... وقد نقل عن جماعة أنهم جعلوا ثواب أعمالهم للمسلمين وقالوا نلقى الله تعالى بالفقر والإفلاس والشريعة لا تمنع من ذلك.

(حاشية ابن عابدين، ۲/۲۴۳)

سلیمانی فرقے سے تعلق رکھنے والے شخص کے سنی بیٹے سے نکاح

سوال: میرا ایک رشتہ آیا ہے۔ ان کے گھر میں والد سلیمانی اور والدہ سنی ہیں۔ بچے بچپن سے والدہ ہی کے مذہب پر ہیں۔ ان لوگوں کے بقول سلیمانی بھی سنی ہی کی طرح ہیں بس فرق یہ ہے کہ وہ عید وغیرہ سنیوں سے ایک دن قبل کرتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ قبل اس مسئلے کی وجہ سے اور دیگر مسائل کی وجہ سے والدین میں علیحدگی بھی ہو چکی ہے اور بچے سنی مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ رشتہ قبول کیا جا سکتا ہے؟ کیا یہاں شادی کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: سلیمانی فرقہ بوہریوں کا ایک فرقہ ہے اور بوہری فرقہ جو ہندوستان و پاکستان میں آباد ہے، وہ اپنے لباس اور پوشاک کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں اور ان میں موجود کفریہ عقائد کی بنیاد پر ان کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے، جبکہ سلیمانی فرقہ لباس و پوشاک میں کوئی امتیاز نہیں رکھتے اس لیے ان کی پہچان مشکل ہے۔ لیکن اگر واقعتاً سلیمانی فرقہ کے اندر کفریہ عقائد موجود ہوں تو یہ فرقہ بھی دائرہ اسلام سے خارج شمار ہوگا۔ لیکن باپ اگر سلیمانی فرقے سے تعلق رکھتا ہو اور بیٹے کا اس فرقے سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ وہ کامل طور پر مسلمان ہو تو اس سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔

ومنها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر؛ لقوله تعالى: {ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا} [البقرة: ۲۲۱] ولأن في إنكاح المؤمنة الكافر خوف وقوع المؤمنة في الكفر؛ لأن الزوج يدعوها إلى دينه، والنساء في العادات يتبعن الرجال فيما يؤثرون من الأفعال ويقلدونهم في الدين إليه وقعت الإشارة في آخر الآية بقوله عز وجل: {أولئك يدعون إلى النار} [البقرة: ۲۲۱] لأنهم يدعون المؤمنات إلى الكفر، والدعاء إلى الكفر دعاء إلى النار؛ لأن الكفر يوجب النار، فكان نكاح الكافر المسلمة سببا داعيا إلى الحرام فكان حراما (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ۲/۲۷۱)

ختم شد